کیا یہ "منصفانہ جنگ" ہوگی؟

خلیجی بحران کے سلسلے میں ہمارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے؟ یہ وہ بحث ہے جس نے برطانوی چرچوں اور ماہرین دینیات کو پوری شدومد سے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ بحث کا آغاز سالسبری اور ویلز دینیاتی کالج کے پرنسپل فلپ کراؤ اور آکسفورڈ یونیورسٹی میں الہیات کے پروفیسر روون ولیمز نے کیا جب انھوں نے 18 اکتوبر کو بی بی سی ریڈیو پر چرچ آف انگلینڈ کے بشپوں کے نام ایک کھلے خط میں پہلی دفعہ اس موضوع پر اظہارِ خیال کیا۔ اس کے فوراً بعد اس موضوع پر اخبارات میں مراسلات شائع ہوئے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ عراق کے خلاف جنگ کو معروف معنوں میں نہ تو اب اور نہ شاید آئندہ "منصفانہ جنگ" قرار دیا جائے گا(1) دوسرے لوگوں نے اپنے کچھ تحفظات کا اظہار کیا۔

"منصفانہ جنگ" کیا ہے؟

لیکن "منصفانہ جنگ" ہے کیا؟ "منصفانہ جنگ" کی تھیوری کا پس منظر بیان کرتے ہوئے اینگلیکن پیسیفسٹ فیلوشپ (ANGLICAN PACIFIST FELLOWSHIP) کے صدر گورڈن ولسن لکھتے ہیں۔ "چرچ کو اپنی تاریخ کے پہلے تین سو سال کے عرصے میں انتہائی ہولناک اذیتوں سے گزرنا پڑا۔ اس دور میں رومی سلطنت نے اسے نیست و نابود کرنے کے لیے پے در پے منظم کوششیں کی تھیں۔ بالاخر ان طویل اور دہشتناک تین صدیوں کے اختتام پر خود رومن بادشاہ کانسٹنٹائن نے تباہ حال چرچ کو یہ سنہری موقع فراہم کیا کہ وہ یسوع مسیح کی بادشاہت کو دنیا بھر میں پھیلانے کے لیے ریاست کی طاقت کو استعمال کرے"۔(2) لیکن چرچ عیسائی تعلیمات میں پائے جانے والے تضادات سے باخبر تھا۔ عیسائیت فرض کرتی ہے کہ ایک ایسی دنیا میں جو مکمل طور پر "عیسائی اصولوں کے مطابق چلائی جارہی ہو۔ جنگ کو ایک غیر متعلق عمل سمجھا جائے گا کیونکہ جنگ پہاڑی کے وعظ (متی، باب 5-7) اور تجسیم کی دینیات (THEOLOGY OF INCARNATION) سے مطابقت نہیں رکھتی" (3)، لیکن چرچ نے ماضی میں لادین حکام کی جنگی مہموں کی خاموش تائید کی۔ اکثر لوگوں کی رائے ہے کہ "بعض مواقع پر جنگ کا طریق کار اور اس میں عیسائیوں کی فعال شرکت کو اخلاقی اعتبار سے نہ صرف درست بلکہ اسے قابل تعریف امر قرار دیا جاسکتا ہے"۔(4)

"منصفانہ جنگ" کی شرائط

منصفانہ جنگ کی شرائط کیا ہیں؟ سینٹ آگسٹائن (354- 430) اور سینٹ اکیناس (1225-1274) اس سے بحث کی ہے۔ آگسٹائن کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اگر جنگ "معاشرے کی بھلائی کے لیےلڑی جائے اور امن کا حصول اس کامقصد ہو تو یہ منصفانہ جنگ ہے"۔ دوسرے حضرات نے اس پر بت پرستوں کے نظریۂ رستم بلوم (RUSTUM BELLUM) عیسائی جامہ پہنانے کا الزام لگایا۔ بہرحال یوں منصفانہ جنگ کا نظریہ وجود میں آیا(5)۔ قرون وسطیٰ میں غالباً ضرورت کے تحت نسبتاً زیادہ صحیح اور مفصل دینیات نے جنم لیا۔ اکیناس نے "منصفانہ جنگ" کے لیے تین بڑی شرائط لگائیں۔

(1) یہ مقتدر اعلیٰ کے اختیار کے تحت ہو۔

(2) اس کی وجہ منصفانہ ہو۔

(3) متحارب قوتوں کی نیت نیک ہو اور مقصد بھلائی کی ترویج اور برائی سے احتراز ہو۔ (6)

یہ شرائط "منصفانہ جنگ" کے نظریے کا مرکزی نقطہ ہیں۔ اور خلیجی بحران کے حوالے سے عیسائی ماہرین دینیات اور چرچوں کے درمیان حالیہ بحث و مباحثہ ان ہی شرائط کے گرد گھومتا رہا ہے۔

ایک اہم اضافہ

ایک اور اہم شخصیت، جس کا نام موجودہ بحث و تمحیص میں بمشکل ہی لیا گیا، فرانسسکو ڈی وکٹوریہ (1485-1546) کی ہے جس نے "منصفانہ جنگ" کے لیے ایک اضافی شرط پیش کی۔ اس کے خیال میں کوئی بھی جنگ جس سے "عیسائی ممالک اور بحیثیت مجموعی دنیا"(7) سنگین تباہی سے دوچار ہوتی ہو، جائز نہیں ہو سکتی۔ اس نے ان ہی وجوہ کی بناء پر امریکہ میں اسپین کے نوآبادیاتی ہتھکنڈوں کی مخالفت کی تھی۔ کیونکہ یہ عیسائی ممالک اور بحیثیت مجموعی پوری دنیا کے لیے خرابی اور نقصان کا موجب تھے حالانکہ چرچ نے اس جنگ کا اختیار دے دیا تھا۔

امن پسندی

یسوع مسیح کی تعلیمات اور "دنیوی اقتدار" کے درمیان مصالحت کی کوششوں کے باوجود عیسائیت جنگ کے بارے میں ہمیشہ عدم اطمینان کا شکار رہی ہے۔ سترھویں صدی میں ریلیجس سوسائٹی آف فرینڈز (QUAKERS) نے جنگ کے تصور کی کلیتاً مخالفت کی۔ اس کا عقیدہ تھا کہ جنگ ہر حالت میں برائی ہے اور اناجیل اربعہ میں اس کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس گروہ کے پیروکاروں کو اپنے ان عقائد کی وجہ سے مصائب اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے بعد کے عرصے میں اور دونوں عالمی جنگوں کے دوران میں بڑے مذہبی مکاتب فکر کے نامور ماہرین دینیات نے مختلف وجوہ کی بنا پر جنگ کی مخالفت کی۔ ان میں سے دو سرکردہ شخصیات لاری شیپرڈ (1888-1937) اور ایرک گل (1882-1940) تھیں۔ ان کے علاوہ 1930ء سے متواتر منعقد ہونے والی لیمبتھ کانفرنس میں تکرار کے ساتھ منظور کردہ قراردادوں میں کہا گیا کہ "بین الاقوامی تنازعات کے تصفیے کے لیے جنگ کا طریقۂ کار ہمارے خداوند یسوع مسیح کی تعلیم اور اسوہ سے مطابقت نہیں رکھتا"... 1978ء کی لیمبتھ کانفرنس کی قرارداد میں کہا گیا کہ "تشدد کا استعمال آخرالامر، مقدس تعلیمات کے قطعی منافی ہے"۔ (8)

ریورنڈ فلپ کراؤ کے دلائل

ریورنڈ فلپ کراؤ خلیج کی جنگ کو منصفانہ جنگ تسلیم نہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "کسی بھی "منصفانہ جنگ" کی کوئی معقول وجہ ہونی چاہیے۔ اس کے لیے اختیار، ارادے، ذرائع اور اس کے نتائج کے متعلق توقعات بڑی حد تک راستبازی پر مبنی ہونا چاہئیں۔ اور یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے "راست بازی" پیش نظر رہے کہ جنگ کے خوف ناک نقصانات جنگ نہ کرنے کے نقصانات سے بہرحال کم ہیں۔ اس قسم کے عناصر کی موجودگی جنگ کی علت کا واضح جواز مہیا کرتی ہے۔ سینٹ آگسٹائن نے اس بارے میں اپنا نقطۂ نظر یوں بیان کیا۔ ہم عموماً ایک ایسی جنگ کو منصفانہ جنگ کہتے ہیں جس میں زیادتیوں کا بدلہ لیا گیا ہو۔ یعنی ایسی قوم یا ریاست کو سزا دینا جس نے اپنے شہریوں کی طرف سے ڈھائے گئے مظالم کی تلافی یا ہتک آمیز طریقے سے ضبط

شدہ اموال کی بحالی سے انکار کیا ہو۔

ایک بے گناہ ملک کا دفاع، جس کا الحاق اس کے ہمسائے نے اپنے ساتھ کر لیا ہو اور اس کے ساتھ وحشیانہ سلوک کا ارتکاب کیا ہو، ہوبہو وہ صورت حال ہے جس میں برائی کے خلاف اچھائی کے واضح طرز عمل کی نشاندہی ہوتی ہے۔ مگر خلیج کا مسئلہ اتنا سادہ نہیں جتنا کہ اصولی طور پر نظر آتا ہے۔ کسی بھی اقدام کے محرکات ہمیشہ ملے جلے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ معاملہ استعماری تاریخ، تیل کے ذخائر پر اختیار کی خواہش، دہرے معیار (کیا ہم نے ایران پر عراقی حملے کی حمایت نہیں کی تھی) اور خاص امور تک محدود مرضی کا انصاف (مثلاً تبت، قبرص، مغربی کنارہ، نکاراگوا وغیرہ) جیسے محرکات میں الجھا ہوا ہے۔ وہ لوگ جو انصاف کے نام پر کارروائی کرنے کے خواہش مند ہیں، ان کی دیانتداری بری طرح مشتبہ ہے۔ جنگ کے جن اختیارات کو ایک طویل عرصے سے منصفانہ جنگ کے نظریہ ساز استعمال کرتے رہے ہیں، اب یہ اختیار بنیادی طور پر اقوام متحدہ کے پاس ہے جسے وہ یقین واعتماد کے ساتھ استعمال کر سکتی ہے۔

اس تمام المیے کا جو مثبت ترین نتیجہ برآمد ہوا ہے وہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے زیرِ اہتمام متفقہ بین الاقوامی اقدام ہے۔ جنگ کرنے کے اختیار کو قانونی بنانے کے لیے اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی دفعہ 42 کے تحت عراق کے خلاف جارحانہ کارروائی کا واضح مینڈیٹ حاصل کیا جائے۔ تاہم دو اہم تقاضے اس کے باوجود پورے ہونے چاہییں۔ پہلا یہ کہ حصول مقصد کے ذرائع جائز ہوں۔ ولیم ٹیمپل کے بقول "ایک بات جو یقیناً غلط ہے، وہ غیر مؤثر لڑائی ہے، جنگ ہمیشہ اور لازماً قابو میں نہیں رہتی۔ یہ یقینی امر نہیں کہ اگر جنگ چھڑ گئی تو ذرائع کے استعمال میں انصاف کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ ممکن ہے اس کے نتیجے میں ایک ایسی آگ بھڑک اٹھے جو پورے مشرقِ وسطیٰ کو اپنی لپیٹ میں لے لے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے زیادہ بدتر نتیجہ برآمد ہو۔

آخری اور سب سے اہم بات متوقع نتائج کے بارے میں نیّت کی راست بازی ہے۔ اپنے دشمنوں سے محبت کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ دشمن کو قتل وغارت کی کھلی اجازت دے دی جائے۔ بلکہ اس سے کم از کم مراد یہ ہے کہ جنگ صرف اس معقول توقع کی بنیاد پر لڑی جائے کہ اس کے نتیجے میں انصاف اور مصالحت پر مبنی امن حاصل ہو سکے گا۔ تاہم اس کا بمشکل ہی کوئی امکان موجود ہے کہ مشرقِ وسطیٰ میں جنگ کے نتیجے میں منصفانہ امن قائم ہو سکے گا۔ جنگ کو صرف اور ہمیشہ ایک آخری چارہ کار کے طور پر اختیار کیا جانا چاہیے، اور ہم اس مقام پر

ابھی نہیں پہنچے۔

اب بھی ایسے لوگ زندہ ہوں گے جن کی یادوں میں، خصوصاً عربوں کی یاد میں یہ بات موجود ہوگی کہ مغربی نو آبادیاتی طاقتوں نے عراق اور کویت کو بڑے مؤثر طریقے سے اپنے مقبوضات میں شامل کیا اور ان پر اپنا قبضہ برقرار رکھا تھا۔ یہ قبضہ انقلاب اور مذاکرات کے ذریعے ختم ہوا۔ یہ بہانہ کہ ہم اعلیٰ اخلاقی بنیاد پر کھڑے ہیں، اور منصفانہ جنگ لڑیں گے اور یہ کہ ہم دشمن کی طاقت کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہوئے اس سے مذاکرات سے انکار کرتے ہیں، اخلاقی لحاظ سے غلط دکھائی دیتا ہے۔ اپنے دشمنوں کے ساتھ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم صبر اور تحمل سے کام لیں اور دشمن نے جس برائی کا ارتکاب کیا ہے، اس میں اپنی ساز باز کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہوں۔ ہمارا یہ پختہ اور واضح عزم ہونا چاہیے کہ ہم محض فتح حاصل کرنے کے بجائے انصاف اور مصالحت کو حاصل کر کے دم لیں گے۔ میرے اس نقطۂ نظر کی بنیاد پر، اگر کوئی شخص مجھے کسی کی بات مان کر بھڑکتے ہوئے جوش و خروش کو ٹھنڈا کرنے والا، قرار دیتا ہے تو بے شک قرار دے۔ (9)

آکسفورڈ کے بشپ کا نقطۂ نظر

آکسفورڈ کے بشپ اور CHRISTIANITY AND WAR IN A NUCLEAR AGE (ایٹمی دور میں عیسائیت اور جنگ) کے مصنف ریورنڈ رچرڈ ہیریس ایک مختلف نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ عراق پر حملے میں پہل اخلاقی لحاظ سے درست ہے۔ "منصفانہ جنگ کی ترکیب کے معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ جنگ میں شامل لوگ ذاتی طور پر نیک ہوں۔ حالانکہ یہ اس ترکیب (منصفانہ جنگ) کا منشا نہیں ہے۔ زیرِ بحث مفروضہ یہ ہے کہ جنگ اگر اخلاقی لحاظ سے ناگزیر ہوجائے تو یہ اس گری پڑی دنیا میں، جس میں ہم سب گناہ گار ہیں، ایک المناک ضرورت کی حیثیت رکھتی ہے۔

کسی بھی شخص نے عظیم امریکی ماہر دینیات رین ہولڈ نیبھور سے بڑھ کر اس حقیقت کا ادراک نہیں کیا جس کی دعاؤں میں اس قسم کی التجائیں ہوتی ہیں۔ "ہم برے اور ظالم لوگوں کے لیے دعا کرتے ہیں جن کا تکبّر ہم پر یہ منکشف کرتا ہے کہ ہمارے اپنے دلوں کا گناہ اگر جنم لے، پروان چڑھے اور آخر کار پھل لے آئے تو اس کی کیا کیفیت ہوگی۔"

منصفانہ جنگ کا سب سے اہم معیار یہ ہے کہ مقصد کے حصول کے لیے سب سے پہلے تمام پر امن ذرائع اختیار کیے جا چکے ہوں، موجودہ پالیسی کے تحت صدام حسین کو (کویت سے) انخلاء پر مجبور کرنے کے لیے پابندیوں اور سفارتی دباؤ سے کام لیا جا رہا ہے۔ اگر وہ اس کے باوجود کویت خالی کرنے میں ناکام رہتے ہیں، تو مسلح افواج کی موجودگی اس خوفناک انجام کی نشاندہی کرتی ہے، جو اس ناکامی کا ناگزیر نتیجہ ہوگا۔ اس پالیسی اور اس سے وابستہ تحمل کو اوقیانوس کی دونوں جانب کلیسیائی اداروں کی طرف سے وسیع پیمانے پر سراہا گیا ہے۔ لیکن فوجی انتخاب کا مرحلہ ابھی برقرار ہے اور اسے برقرار رہنا چاہیے۔

آخر میں یہ فیصلہ کرنا متعلقہ حکومتوں کا کام ہے کہ مسئلے کے حل کے لیے تمام پر امن ذرائع استعمال کیے جا چکے ہیں یا نہیں۔ اس کے بعد ہی وہ یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آیا فوجی کارروائی کامیابی کی ضامن بن سکتی ہے۔ اور کیا اسے انسانی مصائب اور اس پورے علاقے کے لیے طویل المدت سیاسی نقصان کی صورت میں غیر متوازن قیمت ادا کیے بغیر حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اس عرصے میں چرچوں کو چاہیے کہ وہ حکومتوں کو موجودہ پالیسی پر گامزن رکھنے کے لیے آپس میں متحد ہو جائیں۔ اس پالیسی میں یہ عزم بالجزم بھی شامل ہے کہ صدام حسین کویت کو لازماً خالی کر دیں۔ اور انہیں مستقبل میں کسی جارحیت کے لیے بے ضرر بنا دیا جائے۔ اس کا مطلب اپنے مقصد کے سلسلے میں پر عزم ہونا اور اسے جنگ کے علاوہ کسی بھی ذریعے سے حاصل کرنے کے امکانات کا جائزہ لینا ہے۔ وقت بڑی تیزی سے گزرتا جا رہا ہے۔ لیکن یہ کام ابھی تک نہیں کیا جا سکا"۔ (10)

پروفیسر ولیمز کا جواب

لیکن پروفیسر روون ولیمز ان دلائل سے قائل نہیں ہوئے۔ بشپ ہیریس کی باتوں کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ "بشپ نے مسئلے کے کئی اہم پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اولاً یہ کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور اس کے سب سے زیادہ سرگرم اتحادیوں کی طرف سے فوجی کارروائی کا امکان گھٹنے کی بجائے بڑھتا دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ روایتی "منصفانہ جنگ" کی دلیل کے حوالے سے، مشرقِ وسطیٰ میں موجود واقعاتی دباؤ کو پیش نظر رکھتے ہوئے، جنگ کو حق بجانب قرار دینا نہایت ہی مشکل ہے۔ چاہے اس ٹکراؤ کا آغاز اقوام متحدہ کے ایماء پر کیا جائے اور ہم

اس حوالے سے اتفاقِ رائے کا جتنا بھی زور شور سے خیر مقدم کرنا چاہیں، یہ محض اس حقیقت کی بناء پر "منصفانہ جنگ" نہیں کہلا سکتی کہ اسے اقوام متحدہ کے بین الاقوامی فورم کی سرپرستی حاصل ہے۔

کسی ایسے اقدام کی منصفانہ حیثیت کا تعین کرتے وقت یہ بات بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ اس خطے کے طویل المدت استحکام کے سوال پر دوسرے لوگ کیا کہتے ہیں۔ عالمی برادری کو جس مہم کا سامنا ہے وہ ایک مشترکہ اخلاقی دائرہ کار کے لیے ایک ایسے طریقہ کار کی تلاش ہے جس میں یہ بات شامل ہے کہ آبرو باختہ دہرے معیاروں کے تاثر کو زائل کرنے کے لیے کچھ کرنے کی شعوری آمادگی موجود ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مشرق وسطیٰ میں پائیدار انصاف اور ہم آہنگی کے امکانات کو بہتر بنانے کے لیے کچھ ٹھوس وعدے کیے جائیں (ان میں مغربی ممالک کی طرف سے مشرقِ وسطیٰ کے ملکوں کو وافر مقدار میں اسلحے کی فراہمی کی پالیسی پر نظر ثانی بھی شامل ہے)

آکسفورڈ کے بشپ کے خیالات پڑھ کر مجھے ویسی ہی تشویش لاحق ہوئی جس قسم کی تشویش سے مجھے خلیج کے بحران کے بارے میں حالیہ بحثوں کو پڑھنے سے واسطہ پڑا۔ وہ اپنی زیادہ توجہ "امن کو سر کرنے" کی بجائے ایک امکانی جنگ کو حق بجانب قرار دینے اور اسے جیتنے پر صرف کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ "امن سر کرنے" کا مطلب (اسرائیل سمیت) تمام علاقے کو دھماکہ خیز رنجشوں، دیرینہ معاشرتی عدم توازن اور سیاسی تباہ کاریوں کی دلدل سے باہر نکلنے کے لیے راستہ تلاش کرنا ہے۔ تاہم اس پالیسی پر عمل درآمد سے، بلاشبہ، ہمیں کسی نہ کسی صورت میں اس کی کچھ قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ اخلاقیات سے قطع نظر، امن پسند پالیسی کی قیمت اس جنگ کے بے قابو اور طویل المدت اخراجات سے کیا زیادہ ہو سکتی ہے، جسے اہلِ مغرب شروع کرنا چاہتے ہیں۔"
(11)

کارڈینل باسل ہیوم کا نقطۂ نظر

رومن کیتھولک چرچ نے اس بحث میں نومبر 1990ء کے آغاز میں شرکت کی۔ کارڈینل باسل ہیوم نے مشترکہ فوجی اقدام کی حمایت کی۔ اگرچہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مشترکہ اقدام سے پہلے کچھ شرائط پوری کی جانی چاہئیں۔ تاہم ان کے خیال میں ایسی شرائط کو حکام خود

بہتر طور پر متعین کر سکتے ہیں۔

انہوں نے لکھا۔ "میرا یہ پختہ یقین ہے کہ اگر دو بنیادی شرائط پوری کر دی جائیں تو خلیج میں ایک محدود فوجی کارروائی کے حق میں اخلاقی جواز ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ ایک ممکنہ حل کے لیے دیگر تمام کوششوں کو آزمایا جا چکا ہو اور وہ ناکام ثابت ہوئی ہوں اور ایک محدود فوجی اقدام ہی حقیقی چارہ کار رہ گیا ہو۔ یہ بات غلط ہو گی کہ بین الاقوامی حمایت سے شروع کردہ کسی بھی تعمیری تجویز کو قبل از وقت فوجی کارروائی کے ذریعے ناکام بنا دیا جائے۔

دوسرا یہ کہ محدود فوجی طاقت کے استعمال کے ذریعے منصفانہ مقاصد کے حصول کے نہ صرف حقیقی امکانات ہوں بلکہ اس عمل کے دوران میں حد سے بڑھے ہوئے مادی اور سیاسی نقصان کی صورت میں اصل ناانصافی میں مزید اضافہ نہ ہونے پائے۔ ان دونوں شرائط کا اندازہ لگانا انتہائی مشکل امر ہے لیکن اصحابِ اختیار پر، جو اکیلے ہی فیصلہ کن تجزیے کی پوزیشن رکھتے ہیں، ان شرائط پر عمل درآمد کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس ذمّہ داری کو انجام دینے میں کوتاہی کرنے پر کوئی بھی فوجی مداخلت غیر اخلاقی ہو گی۔ مزید برآں ایک نئی سوچ اور فکر، ایک مختلف قسم کے نظام کے بارے میں ابھر کر سامنے آ رہی ہے۔ عراقی جارحیت کے خلاف بین الاقوامی ردّعمل کو منظّم کرنے اور اس پر عمل درآمد میں اقوامِ متحدہ کی کامیابی ایک منفرد کارنامہ کہلا سکتی ہے۔

سرد جنگ کے خاتمے سے بین الاقوامی سطح پر عالمی تعاون اور اعتماد کی ایک ایسی سازگار فضا پیدا ہوئی ہے جس کی اس سے پہلے کوئی نظیر نہیں ملتی۔ یہ صورت حال اپنے طور پر انتہائی اہمیت کی حامل ہو سکتی ہے مگر فی الحال بڑی نازک ہے۔ اس لیے یہ بات بڑی اہم ہے کہ جارحیت کے خلاف براہ راست فوجی مداخلت کو اقوام متحدہ کی پوری پوری تائید حاصل ہو"۔ (12)

سکاٹ لینڈ کے چرچوں کا بیان

سکاٹ لینڈ کے چرچ راہنماؤں نے اتفاقِ رائے سے تیار کردہ ایک بیان وزیر خارجہ ڈگلس ہرڈ کو روانہ کیا جس میں " برطانیہ اور امریکہ کی طرف سے یک طرفہ فوجی کارروائی شروع کرنے کی ہر لحاظ سے مخالفت"(13) کی گئی تھی۔ انہوں نے علاقائی مسائل کو بھی کویت پر چڑھائی سے منسلک کیا۔ ان کے خیال میں جنگ سے "ان مسائل کے حل کے امکانات مزید معدوم ہو جائیں

گے۔"

آرک بشپ آف کینٹربری کی رائے

سکاٹ لینڈ کے چرچوں کے برعکس چرچ آف انگلینڈ کے بشپ خلیجی بحران کے بارے میں کسی بیان پر متفق نہیں ہوسکے۔ تاہم آرک بشپ آف کینٹربری، ڈاکٹر رابرٹ رنسی نے 15 نومبر 1990ء کو کلیسائی مجلس (GENERAL SYNOD) سے خطاب کرتے ہوئے اپنے ایک بیان میں کہا کہ "ان تمام ہولناکیوں اور مصائب کے باوجود، جو جنگ کے نتیجے میں یقیناً جنم لیں گے۔ ہمیں اس حقیقت کو مد نظر رکھنا چاہیے کہ جنگ دو برائیوں میں سے نسبتاً کم تر برائی ہے، البتہ ابھی ہم جنگ کی پوزیشن میں داخل نہیں ہوئے۔ کیونکہ پابندیوں کو اپنا مکمل اثر دکھانے کے لیے کافی وقت نہیں مل سکا۔ تاہم اگر کسی بھی وجہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ پابندیاں کارگر ہونے والی نہیں ہیں تو ہم ایسے فیصلے کن مقام پر پہنچ سکتے ہیں۔"

ڈاکٹر رنسی نے اس بات پر زور دیا کہ پابندیوں کو مؤثر ہونے کے لیے کم از کم ایک سال کا وقت ملنا چاہیے۔ انہوں نے مزید کہا "ایک بات کا مجھے پختہ یقین ہے کہ ہمیں جہاں اقوام متحدہ کی پالیسیوں کو نافذ کرنے کے لیے جنگ سے کم تر کسی بھی حربے کو استعمال میں لانا چاہیے وہاں آخری چارۂ کار کے طور پر طاقت کے استعمال کو خارج از امکان قرار دینا بھی حماقت ہوگی۔ ہمیں کسی جراحتی حملے کے رومانوی تصورات میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے ... ہمیں اس مایوس کن اور خوفناک حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ جنگ صرف پیشہ ور سپاہیوں، ایئرمینوں اور ملاحوں تک ہی محدود نہیں رکھی جاسکتی۔" آرک بشپ کے ان خیالات کا بھرپور تحسین آمیز خیر مقدم کیا گیا۔ (14)

کارڈینل اور آرک بشپ کے خیالات کی مخالفت

بشپوں سمیت سو سے زائد سرکردہ عیسائیوں نے ڈاکٹر رنسی کے اس نظریے کو تنقید کا نشانہ بنایا کہ جنگ دو برائیوں میں سے نسبتاً کم تر برائی ہے۔ بیان پر دستخط کرنے والوں میں ایک ڈڈلے کے بشپ ریورنڈ انتھونی ڈمپر بھی تھے۔ انہوں نے کہا۔ "مجھے اس بات کا بالکل

یقین نہیں ہے کہ جدید ہتھیاروں اور موجودہ صورت حال کے پیش نظر جنگ کبھی دو برائیوں میں نسبتاً کم تر برائی کہلاسکتی ہے۔" (15) بیان میں خلیج کے علاقے میں فوجوں کے اجتماع پر بھی تنقید کی گئی۔ "پابندیوں اور ڈپلومیسی کے سست رفتار عمل کے مقابلے میں مغربی راہنماؤں کی دھمکیاں اور جارحانہ استعداد میں اضافہ جنگ کے نظام الاوقات کا تعین کر رہا ہے۔" (16)

"خلیج میں منصفانہ جنگ؟" نامی یہ دستاویز اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قرارداد کو "جنگ کے لیے ایک کافی اختیار" کی حامل قرارداد نہیں سمجھتی۔ دستاویز کے مطابق عرب یہ سوال پوچھتے ہیں کہ صدام حسین کی مخالفت صرف اسی وقت کیوں کی جا رہی ہے جب کہ اس نے سالہا سال تک ایران کے خلاف جنگ لڑی اور اپنے عوام کو بے پناہ مظالم کا نشانہ بنایا۔ "ہم بالاخر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ افوج کے ذریعے، جن میں مغرب کی غالب اکثریت ہے، عراق کے خلاف کارروائی منصفانہ امن کو پروان نہیں چڑھائے گی۔ جنگ سے ہونے والے ماحولیاتی، انسانی اور نفسیاتی نقصان کے اثرات کئی نسلوں تک جاری رہیں گے۔" (17)

دستاویز پر دستخط کرنے والوں میں مشرقی لندن کے ایک رومن کیتھولک بشپ، ریورنڈ وکٹر گزیلی نے کارڈینل باسل ہیوم (رومن کیتھولک) اور آرک بشپ آف کینٹربری کے نقطۂ ہائے نظر کی مخالفت کرتے ہوئے کہا۔ "برطانوی عوام جو خلیج میں جنگ کے خلاف ہیں۔ ایک پروقار طرزِ عمل اپنائے ہوئے ہیں۔ وہ فراغت بھی رکھتے ہیں۔ اور گھٹے گھٹے انداز میں اپنے جذبات کا اظہار بھی کر رہے ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم موجودہ صورت حال کے پیش نظر کوئی عملی قدم اٹھائیں۔" (18)

حوالہ جات

1- فلپ کراؤ خلیج میں "منصفانہ جنگ" کے خلاف دلائل، دی آبزرور، 11 نومبر 1990ء

2- دی ٹائمز، 11 نومبر 1990ء

3- کراس /لیونگ اسٹون، OXFORD DICTIONARY OF CHRISTIAN CHRUCH، ص 1459

4- ایضاً

5- گورڈن ولسن، دی ٹائمز، 11 نومبر 1990ء

6- کراس /لیونگ اسٹون، حوالہ مذکورہ